بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خرابی کا دائرہ ہماری قومی زندگی کے ہر شعبے میں پھیلا ہوا ہے۔ جو خرابیاں بھی آج پائی جاتی ہیں، ان میں سے ہر ایک [متعدد] اسباب سے نشو ونما پاتی ہوئی اس حالت تک پہنچی ہے کہ اس کی جڑ ہماری تاریخ اور روایات اور نظامِ تعلیم و تمدّن و سیاست میں [نہایت] گہری ہے، اور مختلف شعبوں کی یہ ساری خرابیاں مِل جُل کر ایک دوسرے کو سہارا دے رہی ہیں۔ میں نہیں سمجھتا کہ کسی صاحبِ بصیرت آدمی کو یہ تسلیم کرنے میں کچھ بھی تامّل ہوگا کہ ان حالات میں جزوی اصلاح کی کوئی تدبیر نتیجہ خیز نہیں ہوسکتی۔

آپ دینی مدارس کھول کر، یا کلمہ و نماز کی تبلیغ کرکے، یا فسق و فجور کے خلاف وعظ و تلقین کرکے، یا گمراہ فرقوں کے خلاف مورچے لگا کر زیادہ سے زیادہ اگر کچھ حاصل کرسکتے ہیں تو بس یہ کہ دین جس رفتار سے مٹ رہا ہے اس میں کچھ سستی پیدا کردیں، اور دینی زندگی کو سانس لینے کے لیے کچھ دن زیادہ مل جائیں۔ لیکن یہ امید آپ اِن تدبیروں سے نہیں کرسکتے کہ اللہ کا کلمہ بلند ہو جائے اور اس کے مقابلے میں جاہلیّت کے کلمے پست ہوکر رہ جائیں۔

اس لیے کہ جو اسباب اس وقت تک اللہ کے کلمے کو پست اور جاہلیّت کے کلموں کو بلند کرتے رہے ہیں، وہ سب بدستور موجود رہیں گے۔

یکسو ہو جائیے

اسی طرح اگر آپ چاہیں کہ موجودہ نظام تو ان ہی بنیادوں پر قائم رہے، مگر اخلاق، یا معاشرت، یا معیشت، یا نظم ونسق، یا سیاست کی موجودہ خرابیوں میں سے کسی کی اصلاح ہو جائے، تو یہ بھی کسی تدبیر سے ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ ان میں سے ہر چیز موجودہ نظامِ زندگی کی بنیادی خرابیوں کی آفریدہ اور پروردہ ہے' اور ہر خرابی کو دوسری بہت سی خرابیوں سے سہارا مل رہا ہے۔ ایسے حالات میں ایک جامع فساد کو رفع کرنے کے لیے ایک جامع پروگرام ناگزیر ہے، جو جڑ سے لے کر شاخوں تک پُورے توازُن کے ساتھ اصلاح کا عمل جاری کرے۔

وہ پروگرام ہمارے نزدیک کیا ہے؟ اس پر گفتگو شروع کرنے سے پہلے ایک سوال کا جواب ملنا ضروری ہے۔ وہ سوال یہ ہے' کہ آپ فی الواقع چاہتے کیا ہیں؟

مسلسل تجربے نے یہ بات ثابت کر دی ہے کہ اسلام اور جاہلیت کا یہ مِلا جُلا مرکب، جو اب تک ہمارا نظامِ حیات بنا رہا ہے، زیادہ دیر تک نہیں چل سکتا۔ یہ اگر چلتا رہا تو دنیا میں بھی ہماری کامل تباہی کا موجب ہوگا اور آخرت میں بھی۔ اس لیے کہ اسی کی وجہ سے ہم اس حالت میں مبتلا ہیں کہ

ایماں مجھے روکے ہے تو کھینچے ہے مجھے کفر

نہ ہم امریکا اور روس اور برطانیہ کی طرح پُوری یک سوئی کے ساتھ اپنی دنیا ہی بنا سکتے ہیں، کیونکہ ایمان واسلام سے ہمارا جو تعلق قائم ہے وہ ہمیں اس راستے پر بے محابا نہیں چلنے دیتا، اور نہ ہم ایک سچّی مسلمان قوم کی طرح اپنی آخرت ہی بنا سکتے ہیں، کیونکہ یہ کام ہمیں وہ جاہلیّت نہیں کرنے دیتی، جس کے بے شمار فتنے ہم نے اپنے اندر پال رکھے ہیں۔

اس دودلی کی وجہ سے ہم کسی چیز کا حق بھی پوری طرح ادا نہیں کر سکتے۔ نہ دنیا پرستی کا، نہ خدا پرستی کا۔ اس کی وجہ سے ہمارا ہر کام، خواہ دینی ہو یا دنیوی، دو متضاد افکار اور رجحانات کی رزم گاہ بنا رہتا ہے۔ جن میں سے ہر ایک دوسرے کا توڑ کرتا ہے اور کسی فکر و رُجحان کے مطالبے بھی کماحقہٗ پُورے نہیں ہونے پاتے۔ یہ حالت بہت جلد ختم کر دینے کے لائق ہے۔ اگر ہم اپنے دشمن نہیں ہیں تو ہمیں بہرحال یکسُو ہو جانا چاہیے۔

یکسوئی کا پہلا راستہ

اس یک سُوئی کی صرف دو ہی صورتیں ممکن ہیں۔ ہم کو دیکھنا ہے کہ ہم میں سے کون کس صورت کو پسند کرتا ہے؟

اُس کی ایک صورت یہ ہے کہ ہمارے سابق [مغربی] حکمرانوں نے اور اُن کی غالب تہذیب نے جس راستے پر اس ملک کو ڈالا تھا' اُسی کو اختیار کر لیا جائے اور پھر خدا اور آخرت اور دین اور دینی تہذیب و اخلاق کا خیال چھوڑ کر ایک خالص مادّہ پرستانہ تہذیب کو نشو ونما دیا جائے، تا کہ یہ ملک بھی ایک دوسرا روس یا امریکا بن سکے۔ مگر علاوہ اِس کے کہ یہ راہ غلط ہے،

خلافِ حق ہے اور تباہ کُن ہے، میں کہوں گا کہ پاکستان میں اس کا کامیاب ہونا ممکن بھی نہیں ہے۔ اس لیے کہ یہاں کی نفسیات اور روایات میں اسلام کی محبت اور عقیدت اتنی گہری جڑیں رکھتی ہے، کہ انہیں اکھاڑ پھینکنا کسی انسانی طاقت کے بس کا کام نہیں ہے۔ تاہم جو لوگ اس راستے پر جانا چاہتے ہیں وہ اس گفتگو کے مخاطب نہیں ہیں۔

یکسوئی کا دوسرا راستہ

یکسوئی کی دوسری صورت یہ ہے کہ ہم اپنی انفرادی اور قومی زندگی کے لیے اُس راہ کا انتخاب کر لیں، جو قرآن اور سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو دکھائی ہے۔ یہی ہم چاہتے ہیں، اور یہی ہم سمجھتے ہیں کہ پاکستان کی مسلم آبادی کے کم از کم ۹۹۹ فی ہزار باشندے چاہتے ہیں، اور یہی ہر اس شخص کو چاہنا چاہیے، جو خدا اور رسولؐ کو مانتا ہو اور موت کے بعد کی زندگی کا قائل ہو۔ مگر جو لوگ بھی اس راہ کے پسند کرنے والے ہوں انہیں یہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ جن حالات سے ہم گزرتے ہوئے آرہے ہیں، اور جن میں اس وقت ہم گھرے ہوئے ہیں، ان میں تنہا اسلام اور خالص اسلام کو پاکستان کا رہنما فلسفۂ حیات اور غالب نظامِ زندگی بنانا کوئی آسان کام نہیں ہے۔

دوسرے راستے کے تقاضے

اس کے لیے ضروری ہے کہ ہم اسلام اور غیر اسلامی قدامت کی اُس آمیزش کو، جسے صدیوں کی روایات نے پختہ کر رکھا ہے، تحلیل کریں اور قدامت کے اجزاء کو الگ کر کے

خالص اسلام کے اُس جوہر کو لے لیں؛ جو قرآن اور سنّت کے معیار پر جوہرِ اسلام ثابت ہو۔ ظاہر ہے کہ یہ کام ہمارے اُن گروہوں کی مزاحمت، اور سخت مزاحمت کے بغیر نہیں ہوسکتا جو قدامت کے کسی نہ کسی جز کے ساتھ گہری وابستگی رکھتے ہیں۔

اس کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ ہم مغرب کی حقیقی تمدنی و علمی ترقیات کو اس کے فلسفۂ حیات اور اندازِ فکر اور اخلاق و معاشرت کی گمراہیوں سے الگ کریں اور پہلی چیز کو لے کر دوسری چیز کو بالکلیّہ اپنے ہاں سے خارج کر دیں۔ ظاہر ہے کہ اسے ہمارے وہ گروہ برداشت نہیں کر سکتے، جنھوں نے خالص مغربیّت کو، یا اسلام کے کسی نہ کسی مغربی ایڈیشن کو اپنا دین بنا رکھا ہے۔

اس کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ ایسے لوگ فراہم ہوں اور منظّم طریقے سے کام کریں، جو اسلامی ذہنیت کے ساتھ تعمیری صلاحیتیں بھی رکھتے ہوں۔ پھر مضبوط سیرت اور صالح اخلاق اور مستحکم ارادے کے مالک بھی ہوں۔ ظاہر ہے کہ یہ جنس ہمارے ہاں ویسے ہی کم یاب ہے، پھر اس دل گُردے کے لوگ آخر کہاں آسانی سے ملا کرتے ہیں جو سیاسی اور معاشی چوٹ بھی سہیں، فتووں کی مار بھی برداشت کریں، اور جُھوٹے الزامات کی چوطرفہ بارش کا مقابلہ بھی پُورے صبر و سکون کے ساتھ کرتے چلے جائیں۔

ان سب شرطوں کے بعد یہ بھی ضروری ہے کہ اسلام کو نظامِ غالب بنانے کی تحریک اُسی طرح ایک ہمہ گیر سیلاب کے مانند اُٹھے، جس طرح مغربی تہذیب یہاں سیلاب کے مانند آئی اور زندگی کے ہر شعبے پر چھا گئی۔ اس ہمہ گیری اور سیلابیّت کے بغیر نہ یہ ممکن ہے کہ مغربی تہذیب

کو غلبہ واقتدار سے بے دخل کیا جا سکے، اور نہ یہ ہی ممکن ہے کہ نظامِ تعلیم، نظامِ قانون، نظامِ معیشت اور نظامِ سیاست کو بدل کر ایک دوسرا تمدّن خالص اسلامی بنیادوں پر تعمیر کیا جا سکے۔ یہی کچھ ہم چاہتے ہیں۔

ادھورا نہیں، جامع حل

ہمارے پیشِ نظر، پاکستان کے مسلمانوں کی پُرانی قومی تہذیب کا احیا نہیں، بلکہ اسلام کا احیا ہے۔ ہم علومِ جدیدہ اور ان کی پیدا کی ہوئی ترقیات کے مخالف نہیں، بلکہ اُس نظامِ تہذیب وتمدّن کے باغی ہیں جو مغربی فلسفۂ زندگی اور فلسفۂ اخلاق کا پیدا کردہ ہے۔

ہم دو دو اور چار چار [روپے] والے ممبر بھرتی کر کے کوئی سیاسی کھیل کھیلنا نہیں چاہتے بلکہ اپنی قوم میں سے چھانٹ چھانٹ کر ایسے لوگوں کو منظّم کرنا چاہتے ہیں، جو قرآن وسنّت کے حقیقی اسلام کو یہاں کا غالب نظامِ زندگی بنانے کے لیے قدامت اور جدّت دونوں سے لڑنے پر تیار رہوں۔

ہم زندگی کے کسی ایک جز یا بعض اجزا میں کچھ اسلامی رنگ پیدا کر دینے کے قائل نہیں ہیں، بلکہ اس بات کے درپے ہیں کہ پورا اسلام پُوری زندگی پر حکمران ہو، انفرادی سیرتوں اور گھر کی معاشرت پر حکمراں ہو، تعلیم کے اداروں پر حکمران ہو، قانون کی عدالتوں پر حکمراں ہو، سیاست کے ایوانوں پر حکمران ہو، نظم ونسق کے محکموں پر حکمران ہو اور معاشی دولت کی پیداوار اور تقسیم پر حکمران ہو۔

کرنے کا کام

اسلام کے اس ہمہ گیر تسلّط ہی سے یہ ممکن ہوسکتا ہے کہ پاکستان یک سُو ہو کر اُن روحانی، اخلاقی اور مادّی فوائد سے پُوری طرح متمتّع ہو جو رب العالمین کی دی ہوئی ہدایت پر چلنے کا لازمی اور فطری نتیجہ ہیں، اور پھر اسی سے یہ امّید کی جاسکتی ہے کہ یہ ملک تمام مسلم ممالک کے لیے **دعوت الی الخیر** کا اور تمام دنیا کے لیے ہدایت کا مرکز بن جائے۔

ہمارا لائحۂ عمل

ہمارے اس مقصد کو سمجھ لینے کے بعد کسی کو ہمارے لائحۂ عمل کے سمجھنے میں دُشواری پیش نہیں آسکتی۔ اُس کے چار بڑے بڑے اجزا ہیں:

- **سوچ کی درستی اور اعلیٰ مقصد زندگی کا شعور:** اس کا پہلا جُز تطہیرِ افکار و تعمیرِ افکار ہے۔ یہ تطہیر و تعمیر اس مقصد کو سامنے رکھ کر ہونی چاہیے کہ ایک طرف غیر اسلامی قدامت کے جنگل کو صاف کر کے اصلی اور حقیقی اسلام کی شاہراہِ مستقیم کو نمایاں کیا جائے۔ دوسری طرف مغربی علوم و فنون اور نظامِ تہذیب و تمدّن پر تنقید کر کے بتایا جائے کہ اس میں کیا کچھ غلط اور قابلِ ترک ہے اور کیا کچھ صحیح اور قابلِ اخذ۔ تیسری طرف وضاحت کے ساتھ یہ دکھایا جائے کہ اسلام کے اصولوں کو زمانۂ حال کے مسائل و معاملات پر منطبق کر کے ایک صالح تمدّن کی تعمیر کس طرح ہوسکتی ہے اور اس میں ایک ایک شعبۂ زندگی کا نقشہ کیا ہوگا؟ اس طریقے سے خیالات بدلیں گے اور اُن کی تبدیلی سے زندگیوں کا رُخ پھرنا شروع ہوگا اور ذہنوں کو تعمیرِ نو کے لیے فکری غذا بہم پہنچے گی۔

● **پاکیزہ سیرت و کردار کی تلاش:** اس کا دوسرا جُزو صالح افراد کی تلاش، تنظیم اور تربیت ہے۔ اس غرض کے لیے ضروری ہے کہ اِن آبادیوں سے اُن مردوں اور عورتوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر [منظّم کیا] جائے جو پُرانی اور نئی خرابیوں سے پاک ہوں یا اب [ان خرابیوں سے] پاک ہونے کے لیے تیار ہوں۔ جن کے اندر اصلاح کا جذبہ موجود ہو۔ جو حق کو حق مان کر اس کے لیے وقت، مال اور محنت کی کچھ قربانی کرنے پر بھی آمادہ ہوں' خواہ وہ نئے تعلیم یافتہ ہوں یا پُرانے۔ خواہ وہ عوام میں سے ہوں یا خواص میں سے اور خواہ وہ غریب ہوں یا امیر، یا متوسط۔ ایسے لوگ جہاں کہیں بھی ہوں اُنھیں گوشۂ عافیت سے نکال کر میدانِ سعی و عمل میں لانا چاہیے، تاکہ ہمارے معاشرے میں جو ایک صالح عُنصر بچا کھچا موجود ہے، مگر منتشر ہونے کی وجہ سے، یا جزوی اصلاح کی پراگندہ کوششیں کرنے کی وجہ سے کوئی مفید نتیجہ پیدا نہیں کر رہا ہے، وہ ایک مرکز پر جمع ہو اور ایک حکیمانہ پروگرام کے مطابق اصلاح و تعمیر کے لیے منظّم کوشش کر سکے۔

پھر ضرورت ہے کہ اس طرح کا ایک گروہ بنانے ہی پر اکتفا نہ کیا جائے' بلکہ ساتھ ساتھ ان لوگوں کی ذہنی و اخلاقی تربیت بھی کی جائے' تاکہ اُن کی فکر زیادہ سے زیادہ سلجھی ہوئی، اور ان کی سیرت زیادہ سے زیادہ پاکیزہ، مضبوط اور قابلِ اعتماد ہو۔

ہمیں یہ حقیقت کبھی نہ بھُولنی چاہیے کہ اسلامی نظام محض کاغذی نقشوں اور زبانی دعووں کے بل پر قائم نہیں ہوسکتا۔ اس کے قیام اور نفاذ کا سارا انحصار اس پر ہے کہ آیا اس کی پُشت پر تعمیری صلاحیتیں اور صالح انفرادی سیرتیں موجود ہیں یا نہیں۔ کاغذی نقشوں کی خامی تو اللہ

کی توفیق سے علم اور تجربہ ہر وقت رفع کر سکتا ہے، لیکن صلاحیت اور صالحیت کا فقدان سرے سے کوئی عمارت اٹھا ہی نہیں سکتا اور اٹھا بھی لے تو سہار نہیں سکتا۔

• **منظم اور مشترکہ جدو جھد:** اس کا تیسرا جُز ہے اجتماعی اصلاح کی سعی۔ اس میں سوسائٹی کے ہر طبقے کی اُس کے حالات کے لحاظ سے اصلاح شامل ہے، اور اس کا دائرہ اتنا ہی وسیع ہوسکتا ہے، جتنے کام کرنے والوں کے ذرائع وسیع ہوں۔ اس غرض کے لیے کارکنوں کو ان کی صلاحیتوں کے لحاظ سے مختلف حلقوں میں تقسیم کرنا چاہیے اور ہر ایک کے سپرد وہ کام کرنا چاہیے جس کے لیے وہ اہل تر ہو۔

ان میں سے کوئی، شہری عوام میں کام کرے اور کوئی دیہاتی عوام میں۔ کوئی کسانوں کی طرف متوجہ ہو اور کوئی مزدوروں کی طرف۔ کوئی متوسط طبقے کو خطاب کرے اور کوئی اونچے طبقے کو۔ کوئی ملازمین کی اصلاح کے لیے کوشاں ہو اور کوئی تجارت پیشہ اور صنعت پیشہ لوگوں کی اصلاح کے لیے۔ کسی کی توجہ پرانی درس گاہوں کی طرف ہو اور کسی کی نئے کالجوں کی طرف۔ کوئی جمود کے قلعوں کو توڑنے میں لگ جائے اور کوئی الحاد و فِسق کے سیلاب کو روکنے میں۔ کوئی شعر وادب کے میدان میں کام کرے اور کوئی عِلم و تحقیق کے میدان میں۔

اگرچہ ان سب کے حلقہ ہائے کار الگ ہوں، مگر سب کے سامنے ایک ہی مقصد اور ایک ہی اسکیم ہو، جس کی طرف وہ قوم کے سارے طبقوں کو گھیر کر لانے کی کوشش کریں۔ ان کا متعیّن نصب العین یہ ہونا چاہیے کہ اُس ذہنی، اخلاقی اور عملی انارکی کو ختم کیا جائے، جو

پُرانے جمودی اور نئے انفعالی رجحانات کی وجہ سے ساری قوم میں پھیلی ہوئی ہے، اور عوام سے لے کر خواص تک، سب میں صحیح اسلامی فکر، اسلامی سیرت، اور سچے مسلمانوں کی سی عملی زندگی پیدا کی جائے۔

یہ کام صرف وعظ و تلقین اور نشر و اشاعت اور شخصی ربط و مکالمے ہی سے نہیں ہونا چاہیے، بلکہ مختلف سمتوں میں باقاعدہ تعمیری پروگرام بنا کر پیش قدمی کرنی چاہیے۔ مثلاً: یہ عاملینِ اصلاح جہاں کہیں اپنی تبلیغ سے چند آدمیوں کو ہم خیال بنانے میں کامیاب ہو جائیں، وہاں وہ انھیں ملا کر ایک مقامی تنظیم قائم کر دیں اور پھر ان کی مدد سے ایک پروگرام کو عمل میں لانے کی کوشش شروع کر دیں جس کے چند اجزا یہ ہیں:

بستی کی مسجدوں کی اصلاحِ حال۔ عام باشندوں کو اسلام کی بنیادی تعلیمات سے روشناس کرانا۔ تعلیمِ بالغاں کا انتظام۔ کم از کم ایک دارالمطالعے کا قیام۔ لوگوں کو ظلم و ستم سے بچانے کے لیے اجتماعی جدوجہد۔ باشندوں کے تعاون سے صفائی اور حفظانِ صحت کی کوشش۔ بستی کے یتیموں، بیواؤں، معذوروں اور غریب طالب علموں کی فہرستیں مرتب کرنا اور جن جن طریقوں سے ممکن ہو ان کی مدد کا انتظام کرنا۔ اور اگر ذرائع فراہم ہو جائیں تو کوئی پرائمری اسکول، یا ہائی اسکول یا دینی تعلیم کا ایسا مدرسہ قائم کرنا، جس میں تعلیم کے ساتھ اخلاقی تربیت کا بھی انتظام ہو۔

اسی طرح مثلاً جو لوگ مزدوروں میں کام کریں، وہ عملاً ان کے مسائل کو حل کرنے کی

سعی بھی کریں۔ انہیں ایسی مزدور تنظیمات قائم کرنی چاہییں جن کا مقصد انصاف کا قیام ہو، نہ کہ ذرائع پیداوار کو قومی ملکیت بنانا۔ ان کا مسلک جائز اور معقول حقوق کے حصول کی جدوجہد ہو، نہ کہ طبقاتی کشمکش۔ ان کا طریق کار اخلاقی اور آئینی ہو، نہ کہ توڑ پھوڑ اور تخریب۔ اُن کے پیشِ نظر صرف اپنے حقوق ہی نہ ہوں، بلکہ اپنے فرائض بھی ہوں۔ جو مزدور یا کارکن بھی ان میں شامل ہوں‘ ان پر یہ شرط عائد ہونی چاہیے کہ وہ ایمان داری کے ساتھ اپنے حصّے کا فرض ضرور ادا کریں گے۔ پھر ان کا دائرۂ عمل صرف اپنے طبقے کے مفاد تک ہی محدود نہ ہونا چاہیے، بلکہ یہ تنظیمات جس طبقے سے بھی تعلق رکھتی ہوں اس کی دینی، اخلاقی اور معاشرتی حالت کو بھی درست کرنے کی کوشش کرتی رہیں۔

اس عمومی اصلاح کے پورے لائحہ عمل کا بنیادی اصول یہ ہے کہ جو شخص جس حلقے اور طبقے میں بھی کام کرے، مسلسل اور منظّم طریقے سے کرے اور اپنی سعی کو ایک نتیجے تک پہنچائے بغیر نہ چھوڑے۔ ہمارا طریقہ یہ نہ ہونا چاہیے کہ ہوا کے پرندوں اور آندھی کے جھکڑّوں کی طرح بیج پھینکتے چلے جائیں۔ اس کے برعکس ہمیں کسان کی طرح کام کرنا چاہیے‘ جو ایک متعیّن رقبے کو لیتا ہے، پھر زمین کی تیاری سے لے کر فصل کی کٹائی تک مسلسل کام کر کے اپنی محنتوں کو ایک نتیجے تک پہنچا کر دم لیتا ہے۔ پہلے طریقے سے جنگل پیدا ہوتے ہیں اور دوسرے طریقے سے باقاعدہ کھیتیاں تیار ہوا کرتی ہیں۔

● **حکومت اور نظام حکومت کا مسئلہ :** اس لائحہ عمل کا چوتھا جُز نظامِ حکومت کی اصلاح ہے۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ زندگی کے موجودہ بگاڑ کو دُور کرنے کی کوئی تدبیر

بھی کامیاب نہیں ہوسکتی، جب تک کہ اصلاح کی دوسری کوششوں کے ساتھ ساتھ نظامِ حکومت کو درست کرنے کی کوشش بھی نہ کی جائے۔اس لیے کہ تعلیم' قانون' نظم ونسق اور تقسیمِ رزق کی طاقتوں کے بل پر جو بگاڑ اپنے اثرات پھیلا رہا ہو،اس کے مقابلے میں بناؤ اور سنوار کی وہ تدبیریں جو صرف وعظ اور تلقین اور تبلیغ کے ذرائع پر منحصر ہوں، کبھی کارگر نہیں ہوسکتیں۔

لہٰذا، اگر ہم فی الواقع اپنے ملک کے نظامِ زندگی کو فِسق وضلالت کی راہ سے ہٹا کر دینِ حق کی صراطِ مستقیم پر چلانا چاہتے ہیں تو ہمارے لیے ناگزیر ہے کہ [بگاڑ کو] مسندِ اقتدار سے ہٹانے اور بناؤ کو اس کی جگہ متمکن کرنے کی براہِ راست کوشش کریں۔ظاہر ہے کہ اگر اہلِ خیروصلاح کے ہاتھ میں اقتدار ہو تو وہ تعلیم اور قانون اور نظم ونسق کی پالیسی کو تبدیل کر کے چند سال کے اندر وہ کچھ کر ڈالیں گے، جو غیرسیاسی تدبیروں سے ایک صدی میں بھی نہیں ہوسکتا۔

● **جمہوری اور انتخابی راستہ:** یہ تبدیلی کس طرح ہوسکتی ہے؟ ایک جمہوری نظام میں اس کا راستہ صرف ایک ہے، اور وہ ہے انتخابات کا راستہ۔ رائے عام کی تربیت کی جائے،عوام کے معیارِ انتخاب کو بدلا جائے،انتخاب کے طریقوں کی اصلاح کی جائے، اور پھر ایسے صالح لوگوں کو اقتدار کے مقام پر پہنچایا جائے، جو ملک کے نظام کو خالص اسلام کی بنیادوں پر تعمیر کرنے کا ارادہ بھی رکھتے ہوں اور قابلیت بھی۔

ہماری تشخیص یہ ہے کہ اس ملک کے سیاسی نظام کی خرابیوں کا بنیادی سبب یہاں کے طریقِ انتخاب کی خرابی ہے۔ جب انتخاب کا موسم آتا ہے تو منصب و جاہ کے خواہش مند لوگ اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور دوڑ دھوپ کر کے یا تو کسی پارٹی کا ٹکٹ حاصل کرتے ہیں یا

آزاد امیدوار کی حیثیت سے اپنے لیے کوشش شروع کر دیتے ہیں۔ اس کوشش میں وہ کسی اخلاق اور کسی ضابطے کے پابند نہیں ہوتے۔ کسی جھوٹ، کسی فریب، کسی چال، کسی دباؤ، اور کسی ناجائز ہتھکنڈے کے استعمال میں بھی ان کو دریغ نہیں ہوتا۔ جسے لالچ دیا جاسکتا ہے' اس کا ووٹ لالچ سے خریدتے ہیں۔ جسے دھمکی سے مرعوب کیا جا سکتا ہے' اس کا ووٹ دھمکی سے لیتے ہیں اور جس کو کسی تعصّب کی بنا پر اپیل کیا جا سکتا ہے' اس کا ووٹ تعصّب کے نام پر مانگتے ہیں۔

● **گندا سیاسی عمل اور اصلاح کا راستہ :** اس گندے کھیل کے میدان میں قوم کے شریف عناصر اوّل تو اُترتے ہی نہیں، اور بھولے بھٹکے اگر وہ کبھی اُتر آتے ہیں تو پہلے ہی قدم پر انھیں میدان چھوڑ دینا پڑتا ہے۔ مقابلہ صرف اُن لوگوں کے درمیان رہ جاتا ہے' جنھیں نہ خدا کا خوف ہو، نہ خلق کی شرم، اور نہ کوئی بازی کھیل جانے میں کسی طرح کا باک۔ پھر ان میں سے کامیاب ہوکر وہ نکلتا ہے' جو سب جھوٹوں کو جھوٹ میں اور سب چال بازوں کو چال بازی میں شکست دے دے۔

رائے دینے والی عوام جس کے ووٹوں سے یہ لوگ کامیاب ہوتے ہیں، نہ اصولوں کو جانچتی ہے، نہ پروگراموں کو پرکھتی ہے، نہ سیرتوں اور صلاحیتوں کو دیکھتی ہے۔ اُس سے جو بھی زیادہ ووٹ جھپٹ لے جائے' وہ بازی جیت لیتا ہے۔ بلکہ اب تو اُس کے حقیقی ووٹوں کی اکثریت بھی کوئی چیز نہیں رہی ہے۔ کرائے پر ووٹ دینے والے جعلی ووٹر، اور بددیانت پولنگ افسر اپنے ہاتھوں کے کرتب سے بارہا اُن لوگوں کو شکست دے دیتے ہیں' جن کو اصل

رائے دہندوں کی اکثریت کا اعتماد حاصل ہوتا ہے۔ بسا اوقات انتخاب کی نوبت بھی نہیں آنے پاتی۔ ایک بے ضمیر مجسٹریٹ کسی ذاتی دلچسپی کی بنا پر یا کسی کا اشارہ پا کر تمام امیدواروں کو بیک جنبشِ قلم میدان سے ہٹا دیتا ہے اور منظورِ نظر آدمی بلا مقابلہ پُورے حلقۂ انتخاب کا نمائندہ بن جاتا ہے خواہ وہ واقعی نمائندہ ہو یا نہ ہو۔

طریق انتخاب کی اصلاح

ہر شخص جو کچھ بھی عقل رکھتا ہے، ان حالات کو دیکھ کر خود یہ اندازہ کر سکتا ہے' کہ جب تک یہ طریقِ انتخاب جاری ہے، کبھی قوم کے شریف اور نیک اور ایمان دار آدمیوں کے اُبھرنے کا امکان ہی نہیں ہے۔ اس طریقے کا تو مزاج ہی ایسا ہے کہ قوم کے بدتر سے بدتر عناصر چھٹ کر سطح پر آئیں اور جس بداخلاقی و بدکرداری سے وہ انتخاب جیتتے ہیں' اُسی کی بنیاد پر وہ ملک کا انتظام چلائیں۔

یہ طریقے یک سر بدل دینے کے لائق ہیں۔ ان کے بجائے دوسرے کیا طریقے ہو سکتے ہیں' جن کے ذریعے سے بہتر آدمی اوپر آ سکیں؟ ان کی ایک مختصر سی تشریح میں آپ کے سامنے کرتا ہوں۔ آپ خود دیکھ لیں کہ آیا ان طریقوں سے نظامِ حکومت کی اصلاح کی توقع کی جا سکتی ہے یا نہیں؟

- اوّل' یہ کہ انتخابات اصولوں کی بنیاد پر ہوں، نہ کہ شخصی یا علاقائی یا قبائلی مفادات کی بنیاد پر۔

- دوم، یہ کہ لوگوں کو ایسی تربیّت دی جائے جس سے وہ یہ سمجھنے کے قابل ہو سکیں کہ ایک اصلاحی پروگرام کو نافذ کرنے کے لیے کس قسم کے آدمی موزوں ہو سکتے ہیں اور ان میں کیا اخلاقی صفات اور ذہنی صلاحیتیں ہونی چاہییں۔

- سوم، یہ کہ لوگوں کے خود امیدوار بن کر کھڑے ہونے اور خود روپیہ صرف کر کے ووٹ حاصل کرنے کا طریقہ بند ہونا چاہیے۔ کیونکہ اس طرح بالعموم صرف خودغرض لوگ ہی منتخب ہو کر آئیں گے۔ اس کے بجائے کوئی ایسا طریقہ ہونا چاہیے جس سے ہر حلقۂ انتخاب کے شریف و معقول لوگ سر جوڑ کر بیٹھیں۔ کسی موزوں آدمی کو تلاش کر کے اس سے درخواست کریں کہ وہ ان کی نمائندگی کے لیے تیار ہو۔ اور پھر خود دوڑ دھوپ کر کے اور اپنا مال صرف کر کے اسے کامیاب کرنے کی کوشش کریں۔ اس طرح جو لوگ منتخب ہوں گے وہی بے غرض ہو کر اپنے نفس کے لیے نہیں بلکہ ملک کی بہتری کے لیے کام کریں گے۔

- چہارم یہ کہ جو کارکن اس شخص کو کامیاب کرانے کی جدوجہد کریں، ان سے قسم لی جائے کہ وہ اخلاق کے حدود اور انتخابی ضوابط کی پوری پابندی کریں گے۔ کسی تعصّب کے نام پر اپیل نہ کریں گے۔ کسی کے جواب میں بھی جھوٹ اور بہتان تراشی اور چال بازیوں سے کام نہ لیں گے۔ کسی کی رائے روپے سے خریدنے یا دباؤ سے حاصل کرنے کی کوشش نہ کریں گے۔ کوئی جعلی ووٹ نہ بھگتائیں گے۔ خواہ جیتیں یا ہاریں، بہرحال شروع سے آخر تک پُوری انتخابی جنگ صداقت اور دیانت کے ساتھ با اصُول طریقہ سے لڑیں گے۔

اگر اس ملک کے انتخابات میں ان طریقوں کو آزمایا جائے تو جمہوریت کو قریب قریب بالکل پاک کیا جا سکتا ہے۔ اور بدکردار لوگوں کے لیے برسرِ اقتدار آنے کے دروازے بند کیے جا سکتے ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ ان کے بہتر نتائج پہلے ہی قدم پر ظاہر ہو جائیں۔ لیکن اگر اس رُخ پر ایک دفعہ انتخابات کو ڈال دیا جائے تو جمہوریت کا مزاج یکسر تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ ممکن ہے کہ ان طریقوں سے نظامِ حکومت کی واقعی تبدیلی میں پچیس تیس سال صرف ہو جائیں، یا اس سے بھی زیادہ۔ مگر میں سمجھتا ہوں کہ تبدیلی کا صحیح راستہ یہی ہے اور جو تبدیلی اس طریقے سے ہوگی وہ ان شاء اللہ پائیدار و مستحکم ہوگی۔

میں نے اس مرض [کا] طریقِ علاج بھی بیان کر دیا ہے، اور وہ مقصد بھی پیش کر دیا ہے جس کے لیے ہم علاج کی یہ کوششیں کرنا چاہتے ہیں۔[تدوین : س م خ]

روداد ششم